مولانا محمد حسین عرشی

اقبال اور ہنگامِ سحر

برون زین گنبدِ در بستہ پیدا کردہ ام راہے
کز اندیشہ بر تر می پرد آہِ سحر گاہے

مذہب یا خدا کے پرستار عموماً تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں :

(۱) وہ جو رسماً یا وراثتاً کسی مذہب کے قائل یا کسی حد تک عامل بھی ہوتے ہیں ۔ وہ اس بحث میں نہیں پڑتے کہ عقل و تجربہ کی میزان میں ان کا یا ان کے عقیدہ و عمل کا کیا وزن ہے ۔ بقول قرآن حکیم

قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَاطْ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئاً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ٥ (۵ : ۱۰۴) -

[کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جس رسم و عمل کا پابند پایا ، وہی ہمارے لیے کافی ہے — اگرچہ ان کے باپ دادا جاہل مطلق اور ہدایت سے یکسر محروم ہی رہے ہوں -]

(۲) وہ جو سوچ سمجھ کر کسی عقیدہ و عمل کو قبول کرتے ہیں ۔ وہ باپ دادا کی نقالی نہیں کرتے ۔ بقول غالب

با من میاویز اے پدر! فرزند آزر را نگر
ہر کس کہ شد صاحبِ نظر ، دینِ بزرگاں خوش نہ کرد

ایسے لوگ کسی بات کے ردّ و قبول میں دلیل و برہان کی روشنی کے بغیر قدم نہیں اُٹھاتے ۔

(۳) وہ جو دلیل و برہان سے گزر کر تجربہ و وجدان اور عرفان و ایقان کی سرحد میں پہنچ جاتے ہیں ۔ ان کا ایمان و یقین سماعی ، تقلیدی بلکہ برہانی سے آگے ، وجدانی و عرفانی ہو جاتا ہے ۔ پیر روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو ایک بلیغ و عمیق شعر میں ادا کیا ہے :

تا لبِ بحر این نشانِ نقش پاست گر بہ بحر آئی نشانِ پا کجاست

یعنی استدلال کی قدر و قیمت رہرو کے نقوشِ قدم کی سی ہے جو پیچھے آنے والوں کو راستہ بتاتے ہیں :

ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

پھر جب مسافر دریا میں شناوری کرنے لگتا ہے تو نقوشِ پا یعنی دلائل پیچھے رہ جاتے ہیں ۔ اب وہ براہِ راست اپنی منزل سے واصل ہے ۔

ہر وہ شخص جو سوچ سمجھ کر کسی دین کو قبول کرتا ہے ان راہوں سے گزرتا ہوا کبھی بہ نظر تحقیق کفر و الحاد کی وادیوں میں بھی جادہ پیمائی کرتا ہے — جیساکہ مولانا ابو الکلام نے اپنے حالات میں لکھا ہے :

''گم راہی عمل کی آخری حد فسق ہے اور گم راہی اعتقاد کی اِلحاد — سو فسق و الحاد کی کوئی قسم ایسی نہ تھی جس سے اپنا نامۂ اعمال خالی رہا ہو ۔''

حق گوئی کی کتنی بڑی جرأت ہے !

علامہ اقبال بھی قسامِ ازل سے سوچنے سمجھنے والا دماغ لے کر آئے تھے ۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ کام لینا تھا کہ وہ شکوک و شبہات میں گرفتار، سوچنے سمجھنے والے دماغوں کی رہنمائی کریں ۔ اپنے تجربات کی روشنی سے ان کی راہوں کی تاریکیاں دور کریں ۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں :

اسی کش مکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تابِ رازی

پیچ و تابِ رازی سے مراد وہی دلیل و برہان کی راہ ہے جس میں کوئی گر گیا اور کوئی خوش قسمت منزل تک پہنچ گیا — اور سوز و ساز وجدان و عرفان کا ماحصل ہے ۔ اس شعر میں ''راتیں'' کا لفظ غور طلب ہے ۔ رات کی تنہائی و یکسوئی اس راہ کے سالکوں کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے ۔ اس کے بغیر گرہ کشائی نہیں ہو سکتی ۔ سورۂ مزمّل کا آغاز ''قم اللیل'' سے اس پر نصِ صریح ہے ۔

علامہ کے عمیق ذوقِ قرآن اور عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیضان ہے کہ ان کے کلام کا بیش تر حصہ آغوشِ وحی کا پروردہ معلوم ہوتا ہے ۔ ان کی شب بیداری اور سحر خیزی قرآن حکیم ہی کی تاثیر کا نتیجہ ہے ۔ ہمارے قدیم بزرگ اسی صراطِ مستقیم پر چل کر منزلِ حقیقت تک پہنچے ہیں ۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ملک نیمروز (سجستان) کے بادشاہ نے اپنے ہاں تشریف لانے اور شاہی مراعات سے بہرہ مند ہونے کی

دعوت دی تو اُنھوں نے جواب میں صرف ایک شعر لکھ دیا :

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

یہ ملک نیم شب یعنی دولتِ شب خیزی ایک عظیم تجرباتی کیفیت و لذت ہے جو حرف و صوت اور تقریر و تحریر کی گرفت میں نہیں آ سکتی :

''ذوق این بادہ ندانی بخدا تا نچشی''

ایک بزرگ فرماتے ہیں :

اللّیل ِللعاشقین سترٌ یا لیت اوقاتہٗ تدوم

[رات عاشقوں کے لیے خلوتِ وصال ہے ۔ اے کاش ان ساعتوں کو دوام حاصل ہوتا !]

اس موقع پر مولانا جامی یاد آ رہے ہیں :

شب آمد سازگارِ عشق بازان شب آمد رازدار عشق بازان

ازان بر روز شان شب اختیارست کہ آن یک پردہ در، وین پردہ دارست

[رات آ گئی ، اربابِ عشق کی چہیتی ، رات آ گئی — عاشقوں کی رازدار ۔ یہ لوگ دن پر رات کو اس لیے ترجیح دیتے ہیں کہ پردہ در ہے اور یہ پردہ دار ۔]

رات ہی کا وقت تھا جب شبانِ وادیٔ ایمن حضرت موسیٰ علیہ السلام روشنی کی تلاش میں نکلے تو یہ واقعہ پیش آیا :

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ٥ (۱۹ : ۵۲)۔

[اور ہم نے ان کو (کوہ طور کی) داہنی طرف سے آواز دی اور ہم نے انھیں راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لیے اپنے قریب بلایا ۔]

یہی مبارک وقت ہے جس کا ذکر اس مشہور حدیث میں ملتا ہے : ''لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب و لا نبی مرسل'' [اللہ تعالیٰ کی معیت میں مجھ پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جس میں کسی مقرب فرشتے اور نبیِ مرسل کی گنجائش نہیں ہوتی] ۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے صلی اللہ علیہ وسلم کا محب بھی ہے اور محبوب بھی اور اسی طرح وہ پاک بندہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ذات پاک کا محب و محبوب ہے ۔

قرآن پاک میں شب بیداری و سحر خیزی کے متعلق جو ارشادات وارد ہوئے ہیں ۔ علامہ ان سے بغایت متاثر تھے ۔ ان کی نظر میں تھا کہ : ''اِنّ ناشئۃ الیل ھی اشد و طأ و اقوم قیلا'' [بے شک رات کا اٹھنا قیام میں مضبوط تر اور

قول میں درست تر ہے] ، یعنی شب بیداری میں قوتِ عملی مضبوط اور بات پُر تاثیر ہوتی ہے - یہی چیزیں ہیں جن کی اصلاحِ خلق کے لیے ضرورت ہے -

علامہ دیکھتے تھے کہ مومنوں کی شان اور ان کے ظاہر و باطن کی تصویر کشی خود خالق جل شانہ' کے قلم اعجاز رقم نے کس حسن و جمال سے کی ہے :

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ۝ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ (۳۲ : ۱۵-۱۷) -

[آیاتِ قرآن پر ایمان لانے والوں کی شان یہ ہے کہ جب انھیں ان آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبّر نہیں کرتے - ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں - ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کے دیے ہوئے رزق و مال سے خرچ کرتے ہیں - کوئی شخص نہیں جانتا جو آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی نعمتیں ان کے لیے چھپا کر رکھی گئی ہیں اور وہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے -]

پیرِ روم اس آیت سے نور حاصل کرتے ہیں :

آن چنان کہ گفت پیغمبر ز نور　　　که نشانش آن بود اندر صدور
کہ نجانی دارد از دارالغرور　　　ہم انابت آرد از دارالسرور

حدیث کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ شب خیزی سے سینوں کے اندر ایک نور پیدا ہو جاتا ہے جس کا نشان یہ ہے کہ ایسا شخص دنیوی حرص و ہوا کے فریب میں نہیں آتا - اس سے مستغنی ہو کر آخرت کی دائمی مسرتوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے -

بزرگانِ دین میں ایسے بے شمار اصحاب گزرے ہیں جن کی زندگیاں اس نور و استغنا کا زندہ ثبوت تھیں - قرآنِ حکیم ایک اور مقام پر اہلِ تقویٰ کی صفات بیان فرماتا ہے کہ وہ صابر ، صادق ، فرمان بردار ، خدا کی راہ میں خرچ

کرنے والے اور رات کے پچھلے حصے میں توبہ و استغفار کرنے والے ہوتے ہیں :
وَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ (۳ : ۱۷) ۔

اوپر کے چار مراتب بیان کرنے کے بعد یہ پانچواں مرتبہ ترقی کا آخری مرتبہ ہے ، یعنی صبر و صدق اور قنوت و انفاق کے باوجود اپنے نفس پر بھروسہ نہیں رکھتے ، بلکہ پچھلی رات کی تنہائی میں استغفار کے دامن میں پناہ لیتے ہیں ۔

حدیث میں وارد ہے کہ جب رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سماءِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ

''کیا کوئی سائل ہے کہ میں اس کو عطا کروں ؟''
''کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کروں ؟''
''کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کروں ؟''

اس سے مراد رحمت و فضل کی خاص تجلی ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے قلب میں قوتِ جاذبہ ہونی چاہیے ۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بند رحمۃ اللہ علیہ اس کیفیت کو ایک رباعی میں بیان فرماتے ہیں :

شب خیز کہ عاشقان بشب راز کنند ‏ گرد در و بام دوست پرواز کنند
ہر جا کہ درے بود بشب بر بندند ‏ الا درِ دوست را کہ بشب باز کنند

[رات اہلِ عشق کے لیے راز و نیاز اور قرب و وصال کا وقت ہے ۔ رات کو ہر دروازہ بند ہو جاتا ہے ، لیکن خلوت حبیب کا دروازہ اسی وقت کھلتا ہے ۔]

خلوت کے لفظ سے نظیری نیشا پوری کا الہامی شعر یاد آ گیا :

آن را کہ برد بخلوت ناز ‏ اول درِ زارش کند باز

رومی فرماتے ہیں :

بے تضرع کام یابی مشکل است ‏ کارِ تو موقوف زاریٔ دل است

یہی بات علامہ کے تجربے میں آئی :

عطار ہو رومی ہو ، رازی ہو ، غزالی ہو ‏ کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

سرکار روم ایک اور جگہ دل کھول کر کہتے ہیں :

خواب را بگزار امشب اے پدر ! ‏ یک شبے در کوئے بے خواباں گزر
بنگر ایشان را کہ مجنون گشتہ اند ‏ ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند
می دہند ارواح ہر شب زین قفص ‏ فارغان از حکم گفتار و قصص
شب ز زندان بے خبر زندانیان ‏ شب ز دولت بے خبر سلطانیان
نے غم و اندیشۂ سود و زیان ‏ نے خیالِ این فلان و آن فلان

[اے بزرگ! کبھی بسترِ خواب سے اٹھ کر شب بیدار لوگوں کی خلوتوں میں ان کے ذوق و محویت کا مشاہدہ کرو۔ ان کو دیکھو کہ عشق و جنوں کے غلبے سے پروانوں کی طرح آتشِ قرب میں کشتہ و سوختہ ہو رہے ہیں۔ ہر رات عالمِ مادہ اور عناصر کے پنجرے سے ان کی روحیں آزاد ہو جاتی ہیں۔ بات چیت، قصہ کہانی اور امر و حکم سے بالکل فارغ ہو جاتے ہیں ۔ رات قیدیوں کو قید خانے سے اور سلاطین کو دولت و حشمت سے بے خبر کر دیتی ہے۔ رات کو سود و زیاں اور من و تو کے اندیشے ختم ہو جاتے ہیں۔]

قرآن پاک نے شب بیداری اور سحر خیزی کے لیے مختلف الفاظ اور بے حد اثر انگیز اسالیب سے کام لیا ہے۔ کہیں فرماتا ہے ''اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا'' ۝ (۱۷ : ۷۸)۔ ''مشہود'' کی تفسیر کیا ہے۔ اسی آیت سے آگے دو آیتوں کے فاصلے پر خود ہی بیان فرماتے ہیں : ''وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ'' (۱۷ : ۸۲)، یعنی اس وقتِ خاص میں جاگ کر قرآن حکیم کی تلاوت کرنے سے شفا، رحمت، توفیق اور سکینت قلب آ موجود ہوتی ہیں۔

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''کشف الاسرار'' میں فرماتے ہیں :

''خنک برآن بندگان کہ بوقت سحر استغفار کنند و شراب مہر بجام عشق وقت سحر نوش کنند۔'' [1]

''اے محمدؐ! اگر خوش نودی ما می خواہی برود رسالت می گزار و اگر مقام محمود خواہی بشب بیدار باش و نماز کن۔'' [2]

آیتِ فجر ہی کا دوسرا حصہ ہے : وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (۱۷ : ۷۹)۔

[اور رات کے خاص حصے میں تہجد پڑھا کرو، یہ تمھاری خاص فضیلت ہے]۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ بندے سے نہایت قریب ہوتا ہے۔

۱- ج ۱۵، ص ۶۲۳ - ۲- ایضاً -

"بے شک رات میں ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ اس وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے جو خیر بھی طلب کرتا ہے، وہ عطا فرماتا ہے۔

"ایک اور حدیث میں ہے کہ قیام الیل کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ یہ صالحین کا شیوہ ہے، جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں اور یہ تمہارے لیے قربِ ربانی کا ذریعہ ہے۔ اس سے برائیاں دور اور گناہوں سے بچاؤ حاصل ہوتا ہے۔"[۳]

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری[۳] اپنی بے نظیر تفسیر میں لکھتے ہیں:

"رابعہ عدویہ رات بھر جاگتیں، دل کی حفاظت کرتیں۔ جب صبح صادق نمودار ہوتی تو یہ اشعار پڑھتی تھیں:

یا نفس قومی فلقد نام الوریٰ ان تفعلی خیراً فذوالعرش یریٰ
وانتِ یا عین اھجری طیب الکریٰ عند الصباح یحمد القوم السریٰ

[اے نفس! جاگ جب کہ سب لوگ سو رہے ہیں۔ اس وقت اگر تو کوئی عملِ خیر کرے گا تو یقین کر کہ صاحبِ عرش دیکھ رہا ہے۔ اور اے آنکھ! تو نیند کی لذت کو ترک کر۔ یہی سہانا وقت ہے جب لوگ سفر کرنا پسند کرتے ہیں۔]"

حضرت شیخ الاسلام تہجد سے حاصل ہونے والے مقام محمود کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ــ خود انہی کے وجد آور الفاظ پیش کرنے کو جی چاہ رہا ہے:

"و قیل المقام محمود ھو المجالسة فی حال الشہود۔ مقام محمود خاصۂ مصطفیٰ است (ص) در خلوت 'او ادنیٰ' بر بساط انبساط، در خیمۂ 'ھو معکم' بر سریر اصطفا شراب 'نحن اقرب' بجام قدس نوشیدہ و خلعت وصال پوشیدہ و بدست 'لم یزل' رسیدہ۔"

چار پانچ سطور اور دیکھ لیجیے:

"پیرِ طریقت گفت۔ الٰہی بہر صفت کہ ہستم برخواست تو موقوفم، بہر نام کہ مرا خوانند بہ بندگی، تو معروفم تاجان دارم رخت ازین کوی بر ندارم۔ او کہ تو آنِ اوئی بہشت او را بندہ است۔ او کہ تو در زندگانی اوئی جاوید زندہ است۔ الٰہی گفت تو راحت دل است و دیدار تو زندگانی جان، زبان بیاد تو نازد و دل بمہر و جان بعیان۔"[۴]

ان عبارتوں کے ترجمے میں وہ روح تو پیدا ہو ہی نہیں سکتی جو اصل متن میں ہے۔ تاہم کچھ خلاصہ یہ ہے: مقام محمود کی شرح یہ کی گئی ہے کہ وہ

۳- "حجۃ اللہ البالغہ"، ج ۲، بیان نوافل۔

۴- ج ۵، ص ۶۲۳ - ۶۲۴۔

ہم نشینی ہے دیدار اور مشاہدہ کی حالت میں ۔ مقامِ محمود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے ، یعنی کوئی دوسری بڑی سے بڑی ہستی اس میں آپ کی شریک نہیں ۔ اس کا تعلق سورۂ نجم کی آیت ''او ادنی'' سے ہے ۔ ''او ادنی'' کی شرح سے یہ بندۂ عاصی جو آپ کے سامنے حاضر ہے ، قاصر ہے اور ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ بڑے بڑے مفسروں کو بھی اس مقام پر قاصر ہی پایا ۔ عاجز راقم کی تو کوئی ہستی ہی نہیں ۔ اس موقع پر ایک بزرگ کا یہ واصلانہ شعر یاد آ رہا ہے :

رشک آیدم وگرنہ نقابت کشود می   دست ترا گرفتہ بعالم نمود می

آئیے پھر شیخ الاسلام کے مفہوم کی طرف ۔ بتا رہے ہیں کہ مقامِ محمود کیا ہے ۔ یہ خیمہ معیتِ الٰہی میں برگزیدگی کے تخت پر رسائی کا نام ہے ۔ جہاں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساغرِ قدس میں بادۂ قرب نوش فرمایا ، خلعتِ وصال زیب تن کیا اور ابدی محبوب کی ہم بزمی سے لذت یاب ہوئے ۔

اس کے بعد پیر طریقت کی باری آتی ہے ۔ وہ عرض کرتے ہیں : الٰہی ! میں جس صفت سے بھی موصوف ہوں تیری مشیت کے سہارے قائم ہوں ۔ کسی نام سے بھی مجھے پکارا جائے ، تیری ہی بندگی سے معروف ہوں ۔ جب تک جسم میں جان ہے ، تیرے ہی در پر پڑا رہوں گا ۔ وہ شخص جس کا تو ہو جائے ، بہشت اس کا غلام ہے ۔ جس کی زندگی میں تیری شمولیت ہوئی ، وہ زندۂ جاوید ہو گیا ۔ الٰہی ! تیری بات دل کی راحت ، تیرا دیدار جان کی زندگی ، زبان تیرے ذکر پر نازاں ، دل تیری محبت میں اور جان ملاقات میں سرشار ۔

رومی فرماتے ہیں :

آدمی دید است باقی پوست است   دید آں باشد کہ دیدِ دوست است

سکھ دور کے پنجابی شاعرِ عارف ہاشم شاہ یاد آ گئے :

دل توہیں ، دلبر بھی توہیں ، میرا وید توہیں دکھ تیرا
نین پران حیاتی توہیں اک حرف نہیں وچ میرا

اگر اس کا ترجمہ کروں گا تو اس کی جان ہی نکل جائے گی ۔ تاہم جو کچھ ہو سکے حاضر ہے : دل تو ہے ، دل ربا بھی تو ہے ، میرا طبیب تو ہے ، مجھے دکھ بھی تیرا ہی ہے ۔ آنکھیں اور اعضا ، ہاتھ پیر اور زندگی سب کچھ تو ہی ہے ۔ اس پوری داستان میں ایک حرف بھی میرا نہیں ۔

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہوں یا پیرِ رومی یا سید ہاشم شاہ — یہ سب ندیاں وحی ربانی ہی کے منبع سے نکلتی ہیں ۔

''قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین'' [کہ دیجیے

کہ میری نماز ، عبادات ، زندگی اور موت سب اللہ ہی کی چیزیں ہیں جو تمام کائنات کا پروردگار ہے] ۔

قرب و معیت کی بات چل رہی تھی تو علامہ کے محبوب صاحب دل شاعر مرزا بیدل عظیم آبادی کو کیسے فراموش کر سکتا ہوں :

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما
چہ قیامتی کہ نمی رسی زکنار ما بکنار ما

اب اس کی شرح نہ پوچھیے ۔ اُوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اسی پر قیاس کر لیجیے ۔

ایک اور واصل بزرگ نے یہ کہ کر بات ختم کر دی ہے :

اتحادیست میانِ من و تو   من تو نیست میانِ من و تو

رومی اس مقام پر پہنچ کر آواز دیتے ہیں :

اتصالے بے تکیف ، بے قیاس   ہست رب الناس را با جان ناس

اس کے ساتھ اعترافِ عجز بھی کرتے ہیں :

اے برون از وہم قال و قیل من   خاک بر فرق من و تمثیل من

حقیقت یہ ہے کہ یہ داستانِ جمیل اتنی طویل ہے کہ بقول قرآن حکیم تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور ان کے لیے سات سمندر روشنائی کی دوات کا کام دیں ، پھر سات سمندر اور بھی ان میں شامل کر لیں ، تو بات وہاں سے آگے نہیں بڑھے گی جہاں کھڑے ہو کر شیخِ شیراز نے دست بستہ عرض کیا تھا :

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
و ز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بہ پایان رسید عمر
ما ہم چنان در اوّل وصف تو ماندہ ایم

گر کسے وصف او ز من پرسد   بیدل از بے نشان چہ گوید باز
عاشقانِ کشتگان معشوقند   بر نیاید ز کشتگان آواز

علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ان کے ربط و معیت الٰہی سے متعلق اشعار کا انتخاب کیا جائے تو بہت بڑا ذخیرہ حاصل ہو سکتا ہے ۔ اس فرصت میں میں اپنے عنوان کی مناسبت سے ان کے اعمال و اشغال اور کیفیت و سرشاری کے متعلق اپنی تلاش و تحقیق کا خلاصہ پیش کرتا ہوں ۔ اس سے معلوم ہوگا کہ وہ صرف شاعر یا صرف فلسفی یا صرف قانون دان اور سیاست فہم ہی نہ تھے ؛

بلکہ اس سے ماوراء بھی بہت کچھ تھے ، اور سچ پوچھیے تو ان کی یہی ماورائیت ان کی شاعری ، ان کے فلسفے اور ان کی فکر و سیاست پر چھائی ہوئی ہے ۔ اس موضوع پر قلم اٹھانے کا حق دراصل کسی ایسے ہی شخص کو پہنچتا ہے جو ان تمام علوم پر حاوی ہو اور اس کے ساتھ ہی صاحب کیف و حال بھی ہو ۔ اور یہ بندہ بلا انکسار کچھ بھی نہیں ۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ :

پائے ملخے پیش سلیمان بُردن عیب است و لیکن ہنر است از مورے

میرے معروضات مربوط و منتظم نہ ہوں تو ان کے لیے پہلے سے ہی علامہ کے الفاظ میں معذرت طلب کرتا ہوں :

عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
فروغ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

سحر کا وقت شب و روز کے تمام اوقات میں منتخب اور اپنی بعض خصوصیتوں کی وجہ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ یہی وقت ہے جب کتابِ ہستی کا ایک ورق ختم ہونے اور دوسرے کے آغاز کی تیاری ہوتی ہے ۔

علامہ فرماتے ہیں :

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

علامہ عمر بھر اس اذانِ سحر کے منتظر رہے جو گوشِ عالم نے صرف ایک مرتبہ چھٹی صدی عیسوی میں عرب کے ریگ زاروں میں سنی ۔ اس کے بعد یہ زمین اس آواز کو ترس گئی اور علامہ کی زبان سے فریادی ہوئی :

قلب و نظر پر گراں ایسے جہاں کا ثبات
کیوں نہیں ہوتی سحر حضرت انساں کی رات ؟

علامہ وقتِ سحر کے لمحہ قبولیت کے عاشق تھے ۔ وہ جہاں بھی ہوتے ، سفر ہو یا حضر ، اس کی جدائی گوارا نہیں کرتے تھے ۔ وہ برق و بخارات کا ملک جہاں سے ہمارے نونہال فسق و الحاد کی سوغات لے کر آتے ہیں ، علامہ وہاں بھی اسی محبوبہ کی آغوش میں تسکین حاصل کرتے ہیں :

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

یہ گرم گرم لحافوں میں غفلت کی نیند میں سونے کا وقت اور یہ رغبت الی اللہ ''تتجافیٰ جنوبہم عن المضاجع'' کی عملی تفسیر ہے ۔ یہی وقت ہے جب باہر کے دروازے بند ہوتے ہیں اور اندر کے دوازے کھلتے ہیں ۔ رقّت و گداز

کے ساغر لنڈھائے جاتے ہیں :

سحر در شاخسار بوستانی چہ خوش می گفت مرغ نغمہ خوانی
بر آور ہرچہ اندر سینہ داری سرودی ، نالۂ ، آہی ، فغانی

اس ساعت حسین و جمیل کی نزاکت آج تک کسی بھی شاعر کے خیال میں کہاں آئی ہوگی ۔ آئیے علامہ کی فکر نکتہ رس سے سنیں :

مانند سحر صحن گلستان میں قدم رکھ آئے تہ پا گوہر شبنم تو نہ ٹوٹے

سبحان اللہ ! کیا ''آہستہ خرام بلکہ مخرام'' کا منظر ہے !

وہ اس عصر بے روح کو اپنی سحر کے پیغام سے زندہ کرنا چاہتے تھے ، یعنی وہ فیضان سحر کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کے قائل نہیں تھے ۔ چنانچہ اس دور کی بے جان مذہبی قیادت کو مخاطب فرماتے ہیں :

تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال
تری اذاں میں نہیں ہے میری سحر کا پیام

''گلشن راز جدید'' میں قدیم و حادث کے متعلق فلسفہ آمیز تصوّف کے انداز میں محب و محبوب کی جدائی کی حکمت بیان فرماتے ہیں :

فراق او چنان صاحب نظر کرد کہ شام خویش را ہر خود سحر کرد

یعنی اگر انسان وصال کی لذت میں مست و سرشار اور محو و غرق ہو جاتا تو یہ سعی و جہد ، یہ محنت و کاوش جو بے شمار ظلمتوں کو چیرتی ہوئی بے شمار صبحوں کو نمودار کرتی جاتی ہے ، ظہور میں نہ آتی ۔ انسان اوّل کو دیکھیے اور آج کے انسان کی ایجادات و اکتشافات پر نظر ڈالیے اور پھر آئندہ زمانوں کی رفتار ارتقا کا اندازہ لگائیے ۔ ان تمام کائناتی تغیرات کو جو انسان کے ہاتھوں رونما ہو رہے ہیں ، صرف ایک شام و سحر میں شاعر عارف نے سمیٹ لیا ہے :

کہ شام خویش را ہر خود سحر کرد

خواجہ حافظ بھی قرآن حکیم کی رہبری میں صبح سے کسب فیض کرتے ہیں ، لیکن صرف اپنی ذات کے لیے :

صبح خیزی و سلامت طلبی چون حافظ ہرچہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

علامہ بھی قرآن ہی کی خلوت میں گوشہ گیر ہوتے ہیں اور وہاں سے جو کچھ حاصل کرتے ہیں اس کو پوری امت میں تقسیم کر دیتے ہیں :

ازان نورے کہ از قرآن گرفتم سحر کردم صد و سی سالہ شب را

غلامی کی طویل رات جو مسلم حکومت کے انتزاع سے قوم پر محیط ہو گئی

تھی ، اس کو صبح کی روشنی میں تبدیل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے صحیفۂ نور قرآن حکیم سے نور حاصل کرتے ہیں ۔

محض مادیت کی ترقی انسان کے لیے — جو محض مادہ نہیں بلکہ روح بھی ہے — کافی نہیں ۔ اس سے اُس کی مشکلیں حل نہ ہوں گی ۔ اس کی تاریک رات میں سحر کا نورانی چہرہ نظر نہیں آئے گا ۔ آہ یہ بزعم خود ترقی یافتہ انسان !

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

حضرت علامہ مادی ترقی کے خلاف نہیں ہیں ، لیکن اسی پر قناعت کر لینا اور زندگی کے دوسرے زیادہ اہم اور جاودانی پہلو سے بے نیاز رہنا محض شب پرستی اور سحر دشمنی ہوگی :

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر !
فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شب کی سحر کر

ہر شب کے بعد سحر کا نمودار ہونا فطرت کا ایسا تقاضا ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ۔ یہ ہو کر رہتا ہے اور ہو کر رہے گا ۔ اس کے بغیر انسان اپنے فطری نصب العین سے ہم کنار نہیں ہو سکتا ۔

علامہ خواص و عوام کو عموماً اور خاص خاص گروہوں کو خصوصاً جھنجھوڑتے ہیں ۔ رات کی ظلمت سے نکال کر سحر کی روشنی کی طرف دعوت دیتے ہیں ۔ وہ خود پنجاب کے باشندے تھے ۔ اپنے قرب و جوار میں دہقانوں کی اکثریت کے غیر مختتم جمود کو دیکھتے تھے ، ایسا جمود جس میں گرفتار لوگ خود بھی اپنے جمود سے آگاہ نہیں تھے اور اپنی خاک بازی پر قطعی طور پر قانع ہو چکے تھے ۔ علامہ ایک مختصر نظم میں اس طبقے کو جامع پیغام دیتے ہیں ۔ اس کے دو شعر سن لیجیے :

بتا کیا تری زندگی کا ہے راز ہزاروں برس سے ہے تو خاک باز
اسی خاک میں دب گئی تیری آگ سحر کی اذاں ہو گئی اب تو جاگ

مسلماں کو جگانے کے لیے صرف سحر کافی نہیں ، اذانِ سحر کی بھی ضرورت ہے ۔ اس نکتے پر علامہ کے سوا کس کی نگاہ پہنچ سکتی تھی ؟

فرزندِ صحرا کو ترکِ تعود و جمود اور ترغیبِ قیام و خرام دیتے ہوئے سحر ہی کی طرف متوجہ فرماتے ہیں :

سحر گاہاں کہ روشن شد در و دشت صدا زد مرغے از شاخِ نخیلے
فروہل خیمہ اے فرزندِ صحرا ! کہ نتوان زیست بے ذوق رحیلے

لاہور کی سابق میو روڈ (اور اب اقبال روڈ) کی جاوید منزل میں نہیں، کسی لق و دق صحرا میں کوئی دردمند تنہا پکار رہا ہے۔ صبح پھوٹ رہی ہے۔ کھجور کے صرف دو ایک درخت اور دو ایک خیمے اور بس — یہ منظر کتنا دل کش و دل کشا ہے، جو اس قطعے میں پیش کیا گیا ہے۔

شاعر عارف اپنی حیات افروز دعوت کے لیے یہی مبارک وقت انتخاب کرتے ہیں اور اس سے معجزانہ توقع رکھتے ہیں:

کیا عجب میری نواہائے سحرگاہی سے
زندہ ہو جائے وہ آتش جو تری خاک میں ہے

ان کے سینے میں ایک درد لازوال ہے جو لمحہ بہ لمحہ کئی روپ اختیار کرتا ہے:

کبھی حیرت، کبھی مستی، کبھی آہ سحرگاہی
بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا درد مہجوری

یہ مہجوری کیا ہے؟ اس عظمت و شوکت سے مہجوری جو اسلام نے بادیہ نشینوں کو بخشی۔ پھر جہاں جہاں اسلام کے نام لیوا گئے وہی شان جلال و جمال ان کے ہم رکاب رہی۔ اس تشریح کی تائید اسی نظم کا دوسرا شعر کر رہا ہے:

کوئی تقدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں ورنہ
نہ تھے ترکانِ عثمانی سے کم ترکانِ تیموری

حکیم سنائی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

مردگی جہل و زندگی دین است   ہرچہ گفتند مغز آن این است

قرآن حکیم نے بھی بار بار غیر دینی زندگی کو موت سے تعبیر کیا ہے۔ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (۲۷ : ۸۰) [تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا یعنی ان لوگوں کو جو عقل و شعور سے کام نہیں لیتے] وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ط إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۵ (۳۵ : ۲۲)۔ [زندے اور مُردے برابر نہیں ہو سکتے۔ خدا جسے چاہتا ہے سنا (سمجھا) دیتا ہے اور (اے رسول!) جو قبروں میں ہیں انہیں تم نہیں سنا (سمجھا) سکتے]۔ یہاں علما نے مُردوں اور قبر والوں سے مراد کفار لیے ہیں اور زندوں سے مراد اہل ایمان۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ لا لِّيُنْذِرَ

مَنْ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۳۶ : ۶۹-۷۰) [یہ کتاب تو نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے تاکہ جو زندہ ہو تو اُسے عذاب سے ڈرائے اور کافروں پر عذاب کا قول ثابت ہو جائے] - یہاں زندہ اس کو کہا گیا جو قرآن حکیم سے متاثر ہوتا ہے - اس کے مقابلے میں انکار کرنے والے کو کافر فرمایا ہے -

مسلمان کے لیے دین ہی دنیوی خوش حالیوں اور اُخروی نعمتوں کا وسیلہ ہے - اس کے بغیر ظلمت ہی ظلمت ہے ، جس میں روشنی کی کوئی کرن نہیں ، جس کے خاتمے کی کوئی اُمید نہیں :

شبے کہ گورِ غریبان نشیمن است او را مہ و ستارہ ندارد چسان سحر گردد

نئی روشنی جس سے ظاہر ہیں آنکھیں ایسی چندھیا گئیں کہ ابدی حقائق ان سے اوجھل ہو گئے - در و بام اور کوچہ و بازار تو چمک اُٹھے لیکن انسانیت کا اندروں نورِ سحر سے محروم ، تاریک راتوں کا لامتناہی تسلسل بن گیا !

تجلیؑ کہ بر و پیر دیر می نازد ہزار شب دید و تاب یک سحر ندہد

"زبورِ عجم" کا بیشتر حصہ عابد و معبود یا طالب و مطلوب کے مکالمات پر مشتمل ہے - اس میں بہت سی باتیں آ گئی ہیں جو شرح و ترجمہ کی متحمل نہیں ہو سکتیں - ان کا تعلق باطنی احساس اور روحانی تجربات سے ہے :

پُرسید یکے کہ عاشقی چیست ؟ گفتم کہ چو ما شوی بدانی !

جس نے کبھی عشق و فراق کی بے تابیوں کا مزا چکھا ہی نہیں ، اس کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لیے الفاظ کہاں سے لائے جائیں - بقول میر تقی :

گزری ہے جن کی عمر محبت کیے بغیر وہ بدنصیب مر گئے گویا جیے بغیر

ایسے ہی ایک مقام سے علامہ کی یہ آواز آ رہی ہے :

شب من سحر نمودی کہ بہ طلعت آفتابی
تو بطلعت آفتابی سزد این کہ بے حجابی

آفتاب کے سوا کون ہے جو شب کو سحر بنائے اور آفتاب کے چہرے پر کون برقع ڈال سکتا ہے ؟ یہاں بے ساختہ قرۃ العین طاہرہ یاد آ گئی :

سحر آن نگارستم گرم قدمے نہاد بہ بسترم
فاذا رایت جمالہٗ طلع الصباح کانّما

علامہ کی لاہوتی نوا سے اگرچہ اس نغمۂ ناسوتی کو کوئی نسبت نہیں ، لیکن سحر و صباح کی مناسبت سے یہ بھی سامنے آ گیا -

آخری عمر میں جب مختلف عوارض نے ان کے جسم کا محاصرہ کر رکھا

تھا ، ذہنی احساس اور فکری توانائی میں پہلے سے بھی زیادہ برنائی و براق پیدا ہو گئی تھی ۔ چنانچہ ''ارمغانِ حجاز'' میں ''حضور رسالت'' کے عنوان سے جو قطعات لکھے گئے ہیں وہ اس کی شہادت کے لیے کافی ہیں ۔ ایک قطعہ میں فرماتے ہیں :

شب ہندی غلامان را سحر نیست　　باین خاک آفتابے را گزر نیست
بما کن گوشہ چشمے کہ در شرق　　مسلمانے ز ما بے چارہ تر نیست

ہندی غلاموں کی رات کو صبح بنانے کے لیے جس آفتاب کی ضرورت تھی ، وہ گوشہ چشم مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کون ہو سکتا ہے ؟ کیونکہ :

''بمصطفیٰ برسان خویش را کہ این ہمہ اوست''

آج بھی ہماری بے شمار مشکلات کا حل یہی ہے ۔

علامہ نے اپنی شاعری کا آغاز ''بانگِ درا'' سے کیا ۔ ''بانگ درا'' کیا ہے ؟ خواب کو بے داری کا ، سکون کو حرکت کا ، قعود کو قیام اور پھر تیز قدم چل پڑنے کا پیغام و اعلان ۔ انھوں نے شروع ہی سے اپنی شاعری کا مقصد متعین کر لیا تھا کہ قوم کو میٹھی لوریاں دے کر سلانا نہیں بلکہ اس قافلے کو اٹھا کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں کرنا ہے ، جیسا کہ انھوں نے کہا :

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا　　ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

یہی فریضہ وہ عمر بھر انجام دیتے رہے جیسا کہ فرماتے ہیں :

صبح دمید کاروان کرد نماز و رخت بست
تو نشنیدۂ مگر زمزمۂ درائے را

ان کی صبح نماز سے شروع ہوتی ہے ۔ ان کا قافلہ روانگی سے پہلے نماز ادا کرتا ہے ۔ وہ تنہا روی کے قائل نہیں ، بلکہ ایک کارواں کی صورت میں ایک نقطۂ نگاہ اور ایک متفقہ منزل کی طرف دعوت دے رہے ہیں ۔

کبھی وہ امتِ مسلمہ کی گزشتہ پرجلال صبحوں کو حال بنا کر سامنے لے آتے ہیں ، تا کہ قوم اپنے ماضی کا عرفان حاصل کر کے مستقبل کو تابناک بنائے ۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی کے مزار پر پہنچ کر ، اپنے ماحول سے الگ ہو کر ، اُس دورِ قدیم کا چشمِ تصور سے مشاہدہ کرتے ہیں :

وارہیدم از جہان چشم و گوش　　فاش چون امروز دیدم صبح دوش

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ان کا جسم لاہور میں اور روح حجاز میں نغمے

بکھیرتی رہتی تھی :

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لَے تو حجازی ہے مری

''نغمہ ساربان حجاز'' یعنی ''حدی'' کے عنوان سے ایک نہایت دل کش اور مترنم نظم میں جا بجا صبح کی تجلیاں بکھیرتے چلے جاتے ہیں ۔ ساربان اپنی ناقۂ سیّار و تیز رفتار سے کہہ رہا ہے :

سوز تو اندر زمام | ساز تو اندر خرام | بے خورش و تشنہ کام
پا بہ سفر صبح و شام | خستہ شوی از مقام | تیز ترک گام زن

منزل ما دور نیست

شام تو اندر یمن | صبح تو اندر قرن | ریگ درشت وطن
پائے ترا یاسمن | اے جو غزال ختن | تیز ترک گام زن
مہ ز سفر پا کشید | در پس تل آرمید | صبح ز مشرق دمید
جامہ شب بر درید | باد بیابان وزید | تیز ترک گام زن

منزل ما دور نیست

اقوام سرحد کو خطاب کرتے ہوئے سچے مسلمان کے اوصاف بیان فرماتے ہیں ۔ اس طویل نظم کے ایک شعر میں مسلمان کی صبح کا ذکر آ گیا ہے :

صبحش از بانگے کہ بر خیزد ز جان | نے ز نور آفتاب خاوران

اس کی صبح آفتاب مشرق کی روشنی کا انتظار نہیں کرتی بلکہ اس کے اندر سے اللہ اکبر کی آواز اس کو صبح خیزی کا پیغام دیتی ہے ، یعنی دینی امر و نہی اس کی سرشت بن جاتے ہیں ۔ اسے ان کی تعمیل میں کوئی تکلف محسوس نہیں ہوتا ۔

ویرانۂ غزنین میں ایک مرد شوریدہ کی مناجات میں عہد حاضر کے مسلمان کی نا مسلمانی کا مرثیہ لکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی نشاۃ ثانیہ کی التجا کی گئی ہے :

باز جذب اندرون او را بدہ | آن جنون ذو فنون او را بدہ
شرق را کن از وجودش استوار | صبح فردا از گریبانش بر آر

علامہ امید رکھتے ہیں کہ صبح فردا یعنی مستقبل کی روشنی اسلام اور اسلامی احکام ہی کی تعمیل پر منحصر ہے ۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ آبادی کے اضافہ در اضافہ سے چھوٹی بستیاں بڑے بڑے شہروں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں ۔ اسی نسبت سے جرائم و حوادث میں

بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے ۔ دیانت و امانت اور شرافت و اخلاق قصۂ پارینہ بن جاتے ہیں ۔ مدعیانِ اصلاح ذاتی اصلاح سے بے نیاز اور کرسی نشینانِ عدل ظلم کی سوداگری سے نفع اندوز ہوتے ہیں ۔ ایسے حالات میں کوئی مردِ صحرائی نمودار ہوتا ہے اور آوازۂ حق بلند کرتا ہے :

اے شیخ بہت اچھی کالج کی فضا لیکن بنتی ہے بیاباں میں فاروقی و سلمانی

ایسی تاریک راتوں کا خاتمہ کرنے والی صبح شہروں سے نہیں کوہ و صحرا سے جلوہ گر ہوتی ہے :

دراں شب ہا خروش صبح فرداست کہ روشن از تجلی ہائے سیناست
تن و جاں محکم از بادِ در و دشت طلوع امتاں از کوہ و صحراست

''ارمغانِ حجاز'' کے دور میں ان پر ایسا وقت بھی آیا کہ وہ موجودہ مسلمان کی بے راہروی سے مایوس ہو کر ایک دوسری امت کی آرزو کرتے جو اسلام کی حقیقت کو سمجھے اور اس پر عمل پیرا ہو ۔ ان کے دل سے آواز اٹھی :

بیا نقش دگر ملّت بریزم کہ این ملّت جہاں را بار دوش است

یہ ملّت تو دنیا کے لیے بار دوش بن گئی ہے ۔ اس کی جگہ نئی ملّت اور نئی قوم ہونی چاہیے :

دگر قومے کہ ذکر لا الٰہش برآرد از دل شب صبح گاہش

ایک ایسی قوم جس کا ذکر لا الہ الا اللہ یعنی اتباع قانونِ خداوندی سیاہ کاریوں کی رات کا تابندہ کردار کی صبح سے خاتمہ کر دے ۔

یہی زمانہ تھا جب ہندو کانگرس انگریز سے برسرپیکار تھی اور مسلمان آپس میں گتھم گتھا ہو رہے تھے ۔ احرار ، خاکسار ، نیلی پوش ، مسلم لیگی اور کانگرسی مسلمان ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ، تہمت طرازیاں ، الزام تراشیاں اور شخصی حملوں تک سے گریز نہیں کرتے تھے ۔ ایک دوسرے کے جلسوں کو خراب کرتے تھے ۔ اختلاف ہندوؤں میں بھی تھا ، لیکن گاندھی ، پنڈت مالوی ، ٹیگور ، سپرو وغیرہ مختلف مسالک کے باوجود ایک دوسرے کا احترام کرتے بلکہ اپنی اپنی حدود میں رہ کر تعاون میں بھی تامل نہیں کرتے تھے ۔ کسی کے خلاف کوئی نازیبا کلمہ زبان و قلم سے نہیں نکالتے تھے ۔ لیکن صاحبِ خلقِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ایک دوسرے کے جانی دشمن بنے ہوئے تھے ۔ قائدِ اعظم پر قاتلانہ حملہ اپنی ہی قوم کے ذہن کی ترجمانی کر رہا تھا ۔ علامہ ایسے حالات دیکھتے اور کڑھتے تھے ۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ ''ان مختلف جماعتوں کے لیڈروں کو اپنے ہاں بلائیے اور سمجھائیے کہ یہ تم نے

کیا تماشا بنا رکھا ہے ؟ خدا را اس جنگ آرائی کو چھوڑ کر اجتماعی مفاد کے لیے متحد ہو جائیے۔" میری عرض کے جواب میں آپ نے فرمایا : ''ایسی میٹنگ شیخ صادق حسن (صدر ، مسلم لیگ ، امرتسر) کے ہاں ہونی چاہیے۔'' میں نے عرض کیا : ''شیخ صادق حسن کا کیا اثر ہے ؟ وہ اس اہم خدمت کو انجام نہیں دے سکتے۔'' مکرر فرمایا : ''میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔"

اس مختصر اور بلیغ جواب کی تشریح کرنا اس صحبت میں مناسب نہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے فہم کے مطابق اس کا مطلب نکال سکتا ہے۔

اس سے کچھ عرصہ پہلے وہ دور بھی گزر چکا تھا جب سلطان عبدالعزیز ابن سعود والیٔ حجاز بنا اور اس نے قبّہ شکنی کی مہم سے عموماً عالمِ اسلام میں اور خصوصاً برصغیر میں ایک عظیم ہنگامہ برپا کر دیا۔ حنفی ، وہابی ، شیعہ ، سُنّی ، اہلِ حدیث وغیرہ میں سخت کش مکش شروع ہو گئی۔ مسلمان سلطان کے موافق و مخالف کی صورت میں دو متحارب گروہ بن گئے۔ یہ خانہ جنگیاں عہدِ غلامی کو طول دینے والی ثابت ہو سکتی تھیں۔ اسی دور میں علامہ کے دلِ دردمند سے یہ آواز اٹھی تھی :

اگر قبول کرے دینِ مصطفیٰ انگریز   سیاہ بخت مسلماں رہے گا پھر بھی غلام

لسان العصر اکبر الہ آبادی کی چیخ بھی سن لیجیے :

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر   مجھے تو اُن کی بہبودی سے ہے یاس

اور حالی کا مسدس تو نرا مرثیہ ہی مرثیہ ہے۔

اسی پس منظر اور انھی اسباب و وجوہ نے اس قسم کے اشعار کہلوائے :

بیا نقش دگر ملّت بریزیم   کہ این ملّت جہان را بار دوش است

ان کی فکر برصغیر میں محدود نہیں تھی۔ وہ پورے عالمِ اسلام پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ عرب ، ترکیہ ، ایران ، افغانستان وغیرہ سب کو احیا و اعتلا کا پیغام ان کے کلام میں ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے خیالات کا زیادہ کھل کر فارسی زبان میں اظہار کیا ہے۔ چنانچہ اس دور کے افغان حکمران کو قرآن حکیم کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

صد جہان باقیست در قرآن ہنوز   اندر آیاتش یکے خود را بسوز
باز افغان را ازان سوزے بدہ   عصر اُو را صبح نو روزے بدہ

اس موقع پر ایک تجربے کی بات عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ جب آپ کسی مصنف کا متن دیکھ رہے ہوتے ہیں تو براہِ راست آپ کے سامنے مصنف موجود ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کے شارح کی نکتہ آفرینیوں کا مطالعہ کرتے ہیں

تو وہ اوجھل ہو جاتا اور شارح سامنے آ جاتا ہے ۔ مثلاً قرآن حکیم کی تلاوت کے وقت ایک صاحبِ خشوع و خضوع مسلمان اپنے آپ کو اللہ کے حضور میں تصور کرتا ہے ۔ وہ اپنے محبوب و مطلوب ، خالق و مالک سے شرفِ مکالمہ حاصل کر رہا ہوتا ہے ۔ لیکن جب وہ رازی و زمخشری کی ورق گردانی کرتا ہے تو اس بارگاہ بلند سے اُتر کر ان بزرگوں کی مجلس میں آ جاتا ہے ۔

میں نے اس مقالے کی تیاری میں کسی فاضل شارح سے استفادہ حاصل نہیں کیا ۔ براہِ راست علامہ کی خدمت میں حاضر رہا اور میرے محدود علم و فہم نے جو کچھ اخذ کیا اس کو سپردِ قلم کر دیا ۔ بعض مقامات پر ان کی پروازِ فکر میری رسائی سے بہت بلند معلوم ہوئی ۔ ایسے موقع پر ممکن ہے کہ میں ان کے حقیقی مقصد تک نہ پہنچ سکا ہوں ۔ یہ ایک ایسی صحبت ہے جس میں یقیناً مجھ سے بہتر اقبال فہم ، اہلِ علم موجود ہیں ۔ ان سے معذرت اور اعتراف عجز کے ساتھ ایک ایسے ہی نازک مقام کی طرف اشارہ کرنے کی جسارت کرتا ہوں ۔

مثنوی "پس چہ باید کرد" میں "روح مومن" کی حقیقت بیان فرماتے ہیں ۔ روح کسی کی بھی ہو اس کا بیان آسان نہیں ، پھر روحِ مومن تو اور زیادہ عمق اور اہمیت کی حامل ہوتی ہے ۔ شاید ایسے ہی موقعوں پر عارفِ پنجاب حضرت سلطان باہو نے فرمایا ہے : "دل دریا سمندروں ڈونگھا کون دلاں دیاں جانے" [دل ایک دریا ہے جو سمندر سے بھی زیادہ عمیق ہے ۔ اس کے عمق تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے ؟] ۔ علامہ فرماتے ہیں :

سِرّ حق بر مردِ حق پوشیدہ نیست روح مومن ہیچ می دانی کہ چیست ؟

مردانِ خدا پر اسرارِ خدائی کھول دیے جاتے ہیں ۔ مومن کی روح جس پر ان اسرار کا انکشاف ہوتا ہے ، تم سمجھتے ہو کہ اس کی حقیقت کیا ہے ؟ یہ ایک سوال ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے :

قطرۂ شبنم کہ از ذوقِ نمود عقدۂ خود را بدست خود کشود

افہام و تفہیم میں تشبیہ و تمثیل کے بغیر چارہ نہیں :

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو

"بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر"

روحِ مومن کو اس قطرۂ شبنم کی طرح سمجھو جس نے اپنے ذوقِ نمود سے اپنی گرہ خود ہی کھول ڈالی :

از خودی اندر ضمیرِ خود نشست رخت خویش از خلوت افلاک بست

اسی ذوقِ نمود کا دوسرا نام خودی یا انا ہے جس سے وہ اپنی ضمیر تک پہنچتا ہے ، یعنی خود شناسی ، یا اپنا عرفان حاصل کرتا ہے ۔ اس کا اصلی مقام خلوتِ افلاک تھا ۔ وہاں سے وہ قطرہ سفر کرتا ہوا نیچے اترتا ہے ، لیکن وہ اپنی قطرگی یا انفرادیت کو قائم رکھتا ہے ، اپنے آپ کو بحرِ بےکنار میں سپردِ صدف نہیں کر دیتا :

رخ سوئے دریائے بے پایاں نکرد خویشتن را در صدف پنہاں نکرد

وہ صبح کی آغوش میں دم بھر کے لیے تڑپتا ہے اور غنچۂ نودمیدہ کے حلق میں ٹپک پڑتا ہے ۔ شاید اس کا یہ مطلب ہے کہ مومن کی روح اپنے اضطراب و قلق کے لیے ہنگامِ صبح کو انتخاب کرتی ہے ۔ یہی وقت ہے جب اس کے باطن کی کلی شگفتہ ہوتی ہے اور پھر اس کی خوشبوئیں فضا کے عالم میں پھیلتی ہیں :

”یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا“

واللہ اعلم بالصواب

یہ تو تھا روحِ مومن کا عروج و نزول اور تمکین و تاثیر ۔ اب آئیے اس طرف جہاں ایمان کے خورشیدِ ظلمت ربا کی کوئی کرن نہیں پہنچتی ۔ صبح تو وہاں بھی ہوتی ہے لیکن کیسی ؟ اسی مثنوی میں ”حکمتِ فرعونی“ کے عنوان سے اس مفہوم کی مکمل تشریح فرماتے ہیں :

حکمتِ اربابِ دیں کردم عیاں حکمتِ اربابِ کیں را ہم بداں

یہ اربابِ کیں یعنی ایمان سے محروم قوم کیا ہے ؟ اس سوال کا جواب طویل ہے ۔ صرف دو شعر پیش کرتا ہوں :

ملتے خاکسترِ او بے شرر صبحِ او از شامِ او تاریک تر

ایک ایسی جماعت ، جس کی راکھ میں کوئی چنگاری نہیں ، جس کی صبح ــ شام سے بھی زیادہ تاریک ہے ــ یہ اس لیے کہ :

ہر زمان اندر تلاش ساز و برگ کارِ او فکرِ معاش و ترسِ مرگ

ہر وقت مادی آرائش و اسباب کی تلاش میں غرق ۔ جسمانی لذات کی فکر میں مگن اور موت کے خوف سے لرزاں ۔

دیکھا آپ نے ایمان کی صبح شاداب و تاباں اور کفر کی صبح تاریک و ترساں ۔

اسی مثنوی ”پس چہ باید کرد“ میں ایام عرب کی صبح یاد دلاتے ہیں :

با تو می گویم ز ایامِ عرب تا بدانی پختہ و خامِ عرب

* * *

الدریں دیرِ کہن پیہم تپید تا جہانے تازۂ آمد پدید

یہ مقدس جماعت دنیائے جدید کی خالق کہلائی ۔ بقول حالی

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

اس موضوع پر مختلف زبانوں میں مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ غیر مسلموں تک نے اعتراف کیا ہے کہ موجودہ علوم و اکتشافات کے بانی وہی لوگ تھے جنھوں نے قرآن و اسلام کی آغوش میں پرورش و تربیت حاصل کی ۔ دنیا بھر میں جہاں بھی حق و صداقت کی کوئی آواز اُٹھی ، اس کا آغاز اسی پاک سرشت جماعت سے ہوا :

بانگ حق از صبح خیزی ہائے اوست ہرچہ ہست از تخم ریزی ہائے اوست

انہی کی صبح خیزیوں نے آوازۂ حق بلند کیا ۔ یہ جو کچھ آپ آج تہذیب و تمدن کی ترقیاں دیکھ رہے ہیں ، اس کی تخم ریزی انہی کے ہاتھوں ہوئی تھی ۔

ظاہر ہے کہ صبح کا وجود آفتاب سے ہے ۔ وہ اسی منبع سے اپنا نور حاصل کرتی ہے ۔ اسی لیے علامہ براہِ راست اس سے بھی خطاب فرماتے ہیں ۔ ان کا نصب العین وہاں بھی انفرادی اکتساب نہیں ہے ، بلکہ اجتماعی تنویر ہے ۔ مطلع ہے :

اے امیرِ خاور اے مہرِ منیر می کنی ہر ذرہ را روشن ضمیر

مہر منیر کی ضیا پاشیوں اور کارگزاریوں کی شرح و تفصیل بیان کرتے ہوئے صبح تک پہنچ جاتے ہیں :

خوش بیا صبحِ مرا آوردۂ ہر شجر را نخلِ سینا کردۂ

تو فروغِ صبح و من پایانِ روز در ضمیرِ من چراغے بر فروز

اپنے ضمیر کی چراغ افروزی سے کام لینا چاہتے ہیں :

تا بروز آرم شبِ افکارِ شرق بر فروزم سینۂ احرارِ شرق

ایک نورانی انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں :

از نوائے پختہ سازم خام را گردشِ دیگر دہم ایام را

تان کہاں پر آ کر ٹوٹتی ہے :

فکرِ شرق آزاد گردد از فرنگ از سرودِ من بگیرد آب و رنگ

دیکھا آپ نے کہاں سے چلے اور کہاں پہنچ گئے !

آزاد اور غلام کا فرق بتاتے ہوئے بہت سے نکتوں کی گرہ کشائی فرماتے ہیں ۔ اس کے بھی دو شعر سنیے :

ما ہمہ عبدِ فرنگ او عبدہٗ او نگنجد در جہانِ رنگ و بو

صبح و شام ما بہ فکر ساز و برگ   آخر ما چیست! تلخی ہائے مرگ؟

آزاد کا ظرف و حوصلہ صرف حیات مادی پر قانع نہیں :

طرح نو افگن کہ ما جدّت پسند افتادہ ایم

این چہ حیرت خانۂ امروز فردا ساختی

وہ اس خدا کا بندہ ہوتا ہے جس کی شان ہے وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔ اس کا تخت عظمت تمام آسمانوں اور زمین کا احاطہ کیے ہوئے ہے ــ اور غلام فرنگ کی غلامی سے نکلنے کی راہ نہیں پاتا ۔ آج کہ ہم بظاہر چھبیس برس سے آزاد ہو چکے ہیں ، لیکن ہمارے افکار و اعمال بدستور سابق فرنگ کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ــ وہی نظام تعلیم ، وہی نظام عدل ، وہی فیشن پرستی اور الحاد نوازی ۔ انگریز ہماری صبحوں اور شاموں کو صرف دنیوی ساز و سامان اور نمائش کی فکر دے گیا ہے ۔ ہمارا انجام کیا ہے؟ ــ موت کی تلخیاں اور بس ۔

آئیے اب ذرا لغت کی سیر کر لیں ۔ عربی زبان میں آخر شب کے متعلق کئی الفاظ آئے ہیں ۔ ان میں زیادہ مشہور سحر ، فجر ، صبح اور غدوہ ہیں جو قرآن حکیم میں استعمال کیے گئے ہیں ۔ سحر رات کے آخری حصے کو کہتے ہیں یا صبح سے ذرا پہلے ۔ امام راغب نے آخر شب کی تاریکی کو دن کی روشنی میں خلط ملط ہونے کے وقت کو سحر کہا ہے ۔ "مصباح اللغات" نے السحر الاعلیٰ یعنی صبح کاذب والسحر الآخر یعنی صبح صادق لکھا ہے ۔ صبح کے متعلق راغب لکھتے ہیں کہ یہ اس وقت کا نام ہے جب افق طلوع آفتاب کی وجہ سے سرخ ہو جائے ۔ ''مصباح'' میں اصبح کے معنی آدھی رات میں بیدار ہونا لکھے ہیں اور دن کے ابتدائی حصے کو بھی صبح کہا ہے ۔ الفجر کے معنی پھاڑنے اور شق کر دینے کے ہیں ۔ اس وقت کو اس وجہ سے فجر کہتے ہیں کہ صبح کی روشنی رات کی تاریکی کو پھاڑ کر باہر نکل آتی ہے ۔ علامہ اپنی صبح کو تین یا چار بجے آخر شب سے شروع کرتے ہیں ۔ چنانچہ مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد کو ۳۱ اکتوبر ۱۹۱۶ کے خط میں لکھتے ہیں : ''صبح چار بجے ، کبھی تین بجے اُٹھتا ہوں ، پھر اس کے بعد نہیں سوتا ، سوائے اس کے کہ مصلّے پر کبھی اُونگھ جاؤں ۔''۵ ایک دوسرے خط میں جو ۱۱ جون ۱۹۱۸ کو لکھا گیا ہے مہاراجہ کو لکھتے ہیں : ''ان شاء اللہ کل صبح کی نماز کے بعد دعا کروں گا ۔ کل رمضان کا چاند یہاں دکھائی دیا ۔ آج رمضان کی پہلی ہے ۔ بندۂ روسیاہ کبھی کبھی تہجد کے لیے

۵- ''اقبال کامل'' ، ص ۳۷ ، بحوالۂ ''مکاتیب شاد و اقبال'' ، ص ۱۹ ۔

اُٹھتا ہے ۔ سو خدا کے فضل و کرم سے تہجد سے پہلے بھی اور بعد بھی دعا کروں گا ۔ اس وقت عبادت الٰہی میں بہت لذت حاصل ہوتی ہے ۔ کیا عجب ہے کہ دعا قبول ہو جائے ۔''[۶]

ان چند سطور میں کتنی باتیں آ گئیں :

(۱) صبح خیزی

(۲) شب خیزی

(۳) عبادت میں حصولِ لذت

(۴) دعا پر اعتقاد

''اقبال اور دعا'' کا عنوان ایک الگ مقالے کا متقاضی ہے ۔ سردست ایک شعر سن لیجیے ۔ دعا کی سرگوشیوں اور اطمینان بخشیوں کا تجربہ رکھنے والوں کے لیے اسی شعر میں کئی مقالے سما گئے ہیں ۔ فرماتے ہیں :

بحرفے می توان گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوقِ حضوری طول دارم داستانے را

ایسا شعر صرف شاعری اور قافیہ پیمائی نہیں ہو سکتا جب تک شاعر ذوقِ حضوری کی واردات سے نہ گزرا ہو ، اس کے کلام میں ایسی دل کش و دل آرام واقعیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی ۔

دعا کے متعلق علامہ کے خیالات یا یوں کہیے کہ اکتشافات ایسے اہم و اخص ہیں کہ کم از کم میرے مطالعہ کی حد تک کسی محدث ، مفسر یا صوفی کی تصنیف میں نہیں پائے جاتے ۔ خطبات میں ایک خطبے کا عنوان یہی ہے : "ذاتِ الٰہیہ کا تصور اور حقیقتِ دعا" ۔ اس کی بعض سطور ملاحظہ ہوں : ''سائنس کچھ بھی کہے مجھے تو یوں نظر آتا ہے کہ جب تک دنیا قائم ہے دعا یا عبادت کا سلسلہ بھی قائم رہے گا ۔'' اس فقرے میں اس حدیث کی روح بول رہی ہے الدعا ، مخ العبادہ [دعا عبادت کا مغز ہے] ۔

مزید فرماتے ہیں : ''باعتبارِ نفسیات دعا یا عبادت ایک جبلی امر ہے ۔ دعا کا مرتبہ غور و تفکر سے بہت بلند ہے ۔ یہ بھی تفکر کی طرح تحصیل و اکتساب ہی کا ایک عمل ہے جو بحالت دعا ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتا ہے اور ایسی قوت و طاقت حاصل کر لیتا ہے جو فکر محض کو حاصل نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارا جی تو یہ چاہتا ہے کہ اگر خدا ہے تو ہمیں اس کی موجودگی کا حقیقی اور واقعی تجربہ ہو ۔ تاریخ کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسا تجربہ دعا یا عبادت ہی سے حاصل ہوتا ہے ۔ ۔ ۔

۶۔ ''اقبال کامل'' ، ص ۸۵ ، بحوالہ ''مکاتیب شاد و اقبال'' ، ص ۴۳ ۔

دعا گویا ان ذہنی سرگرمیوں کا لازمی تکملہ ہے ، جو فطرت کے علمی مشاہدے سے سر زد ہوتی ہیں ۔ ۔ ۔ بلحاظ ایک نفسیاتی مظہر کے دعا ایک راز ہے ۔ ۔ ۔ ۔ دعا خواہ انفرادی ہو خواہ اجتماعی ، ضمیر انسانی کی اس نہایت درجہ پوشیدہ آرزو کی ترجمان ہے کہ کائنات کے ہولناک سکوت میں وہ اپنی پکار کا کوئی جواب سنے ۔ ۔ ۔ ۔ ''

اس فقرے میں آیہ اجیب دعوۃ الداع اذ ادعان کی جھلکیاں مل رہی ہیں ۔ یعنی ''میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے ۔''

علامہ مزید فرماتے ہیں کہ ''یہ انکشاف تجسس کا عدیم المثال عمل ہے ۔ ۔ ۔ دعا یا عبادت کا تعلق دراصل انسان کے باطن اور ضمیر سے ہے ۔ اس لیے اس کی شکلیں بھی مختلف ہیں ۔ لکل امۃ جعلنا منکا ہم ناسکوہ ۔ ۔ ۔ ۔ یعنی ہم نے ہر امت کے لیے ایک طریقہ عبادت مقرر کر دیا ہے ۔ وہ لوگ اسی کے مطابق دعا و عبادت کا فریضہ ادا کرتے ہیں ۔''

میں نے طوالت سے بچنے کے لیے نہایت اختصار و تلخیص سے کام لیا ہے ، ورنہ یہ پورا خطبہ اس قابل ہے کہ قرآن حکیم کی روشنی میں اس کی مفصل شرح کی جائے اور اس میں عرفان و ایقان کی حقیقتوں کا مشاہدہ کیا جائے ۔

یہ خوشی اور اطمینان کی بات ہے کہ علامہ کے کلام نظم و نثر کی طرف عالمی سطح پر توجہ کی جا رہی ہے ، اس کو غور و فکر کا موضوع بنایا جا رہا ہے ۔ لیکن آخر میں میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ ، ایک پرانے اقبال شناس کے بقول ، علامہ کو اگر انگریز سمجھ لیتا تو وہ ایک دن بھی جیل سے باہر نہ رہتے ، اور اگر مسلمان سمجھ پاتا تو وہ ایک دن بھی غلامی کی زندگی گوارا نہ کرتا ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عملی لحاظ سے ان کی تعلیمات و پیام کو سمجھنا ابھی باقی ہے ۔ یہی سوچ کر سفر آخرت کی تیاریوں کے زمانے میں ان کے قلب سے یہ خروش اُٹھا تھا :

چو رخت خویش بربستم ازین خاک — ہمہ گفتند با ما آشنا بود
و لیکن کس ندانست این مسافر — چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود

[یہ مقالہ یوم آزادی کی تقریب کے سلسلے کی ایک خصوصی نشست میں جو اقبال اکادمی کی جانب سے منعقد ہوئی تھی ، ۱۷ اگست ۱۹۷۶ء کو پڑھا گیا ۔]